Tarseel, Vol.17 (ISSN: 0975-6655)
A Peer Reviewed Research Journal of Urdu
Listed in UGC-CARE
Directorate of Distance education,
University of Kashmir

کلیاتِ غنیؔ ''دفینۂ سخن و بادہ کہن''

ڈاکٹر معین الدین شاہین

تلخیص

غیر جانب دارانہ تحقیق وتنقید ادب کو زندہ رکھنے اور استحکامت عطا کرنے میں بنیادی رول ادا کرتے ہیں۔ یہ تحقیق وتنقید کا ہی خاصا کہ آئے روز ایسے نادر و نایاب قلمی نسخے منظر عام پر لائے جاتے ہیں جو ہر دو اعتبار ادب کے سرمائے میں اضافے کا موجب بن جاتے ہیں۔ کلیات غنی کا شمار بھی انہیں نایاب قلمی نسخوں میں بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ یہ نسخہ محض بیس سال قبل محققین کے ہاتھ آیا جسے بعد میں تدوین وتالیف کے مراحل سے گزار کر کلیات کی صورت میں شائع کیا گیا۔ زیرِ نظر تنقیدی مضمون میں کلیاتِ مذکورہ میں شامل شعری کلام سے متعلق تنقیدی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو قارئین کو کلامِ غنی کی تفہیم وتوضیح میں کسی قدر مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

کلیدی الفاظ:

کلاسیکی شاعری، حامی قوم، تذکرہ، قلمی مسودہ، کلیات، تدوین، تالیف، جدت

مرحوم عبدالغنی بیاوری ایسے باکمال لیکن فراموش کردہ شاعر ہیں جن کا ذکر نہ تو معاصر رسائل وجرائد میں ملتا ہے اور نہ ہی تذکروں اور ادبی تاریخوں میں نظر نواز ہوتا ہے۔ اس کے باوصف یہ خوش گوار اتفاق ہے کہ اُن کے نبیرۂ سعادت مند حاجی عبدالجبار خلجی نے اُن کے کلام کو تلاش کر کے ''کلیاتِ غنیؔ'' کے زیرِ عنوان شائع کروا کر علمی وادبی حلقوں کے حوالے کر دیا۔ یہ کلام

انہیں کس طرح ہمدست ہوا، اِس کی روداد خود انہیں کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''تقریباً بیس سال قبل ایک بوسیدہ سی لکڑی کی صندوق میں پرانے زمین جائیداد کے کاغذات اور دستاویزات تلاش کرتے وقت ایک پرانی کاپی میں ماسٹر عبدالغنی کا تحریر شدہ قلمی مسوّدہ ملا، ساتھ ہی ان کے قلم سے لکھی گئیں اردو، ہندی اور راجستھانی ادبی تخلیقات بھی ملیں۔ اس پرانی کاپی میں دائیں جانب کے صفحات میں اردو کلام اور بائیں جانب سے صفحات میں ہندی اور راجستھانی کاویہ رچنائیں اُن کی خود کی قلم سے لکھی ہوئی تھیں۔ کچھ فارسی کلام بھی دستیاب ہوا۔ اُن کی تخلیقات کے اس خزانے کو پاکر حیرت زدہ ہونا اور مسحور ہوجانا قدرتی امر تھا۔

> ''ادبی ذوق اور جستجو کے تحت ماسٹر عبدالغنی کے ہم عصر حضرات سے ذاتی ملاقاتیں، ان کی شخصیت اور فن، ادبی تخلیقات اور شاعرانہ مہارت پر مفید معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔ ایک طویل عرصہ کے بعد تین سال قبل تحقیق وتالیف کی مہم کو پھر سے جوش وخروش سے شروع کیا گیا۔
>
> سب سے پہلے ماسٹر عبدالغنی کے اردو، ہندی اور راجستھان کے کلام کو ان مختلف زبانوں کے ماہرین کے حوالے کیا گیا تاکہ کلام کو گرامر، کمپوزنگ خصوصاً شاعری کے میزان کی کسوٹی پر پرکھ کر کلام کے معیاری ہونے کی تصدیق کی جاسکے۔''[۱]

اس کلیات کے مشیر اعلیٰ کے بطور خداداد خاں موسّس (مرحوم) اور تدوین وتالیف کے تحت حاجی عبدالجبار خلجی، حاجی محمد بخش قریشی اور حاجی محمد عثمان بیاوری کے اسمائے گرامی درج کلیات ہیں۔

واضح ہو کہ خداداد خاں موسّس کے باکمال ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن مدوّن حضرات دنیائے اردو ادب میں زیادہ شہرت یافتہ نہیں ہیں۔ صرف عثمان بیاور کا کلام ایک دور سالوں میں راقم کی نظر سے گذرا جسے پڑھ کر کسی قابل قدر استاد سے رجوع کرکے اپنی فنی اور عروضی غلطیوں کی اصلاح کا مشورہ میں نے انہیں بذریعہ خطوط بارہا دیا لیکن مرحوم نے ''خراجِ عقیدت'' کے زیرعنوان جو اشعار تخلیق کئے ان میں پہلے مصرعے سے ہی فنی خامیوں کی بسم اللہ ہوجاتی ہے۔

راقم کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عثمان صاحب کا جذبہ اردو کے تئیں مخلصانہ اور ہمدردانہ ضرور تھا لیکن وہ صاحبِ طرز شاعر یا ادیب نہ ہوکر صرف ایک موضوع طبع شخص تھے۔ جبّار صاحب اور محمد بخش قریشی صاحب کی تحریریں عثمان صاحب کے مقابلے

قدرے بہتر ہیں۔ ان سب امور کی وضاحت کا سبب صرف اتنا ہے کہ ترتیب متن کو تحقیق سے بھی آگے کی منزل قرار دیا ہے، اس لئے یہ کام انہیں حضرات کو انجام دینا چاہیئے جو فنی بصیرت و مہارت رکھتے ہوں، جنہیں علم عروض، صرف ونحو اور علمِ بیان سے بھرپور شناسی ہو، ورنہ صاحبِ کتاب کی محنت ومشقت اکارت اور رائیگاں ہوجاتی ہے۔ یہ تمام امور یقینی طور پر مرحوم خداداد خاں مونسؔ کے بھی پیش نظر رہے ہوں گے لیکن نہ جانے کس مصلحت کے تحت مرحوم نے اس طرف توجہ مبذول کرانے سے گریز و پرہیز کیا۔ حاجی عبدالجبار خلجی اس نقطۂ نگاہ سے قابل مبارکباد ہیں کہ آپ نے ایک بیش قیمت ادبی، تہذیبی اور تمدّنی سرمایے کی شیرازہ بندی کی کوشش کی۔

مرحوم خداداد خاں مونسؔ کی طرح راقم کا بھی یہی خیال ہے کہ ''کلّیاتِ غنیؔ'' میں شائع شدہ کلام کو حرفِ آخر نہیں سمجھنا چاہیئے، قوی امکان ہیں کہ غنیؔ صاحب کا مزید غیر مطبوعہ اور مطبوعہ کلام اِدھر اُدھر سے حاصل ہوجائے۔ اس لئے جبّار صاحب اور شیدائیانِ غنیؔ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس بابت مسلسل پیش رفت کرتے رہیں تاکہ تفتیش وجستجو کے بعد جو کلام موصول ہو اُسے اگلی اشاعت میں شامل کرلیا جائے اور غنیؔ شناسی کی روایت کو تقویت مل سکے۔

زیرِنظر کلّیات میں اہلِ نظر کو کئی مقامات پر تسامحات اور لغزشیں بھی نظر آئیں گی لیکن ان کے لئے غنیؔ صاحب کو موردِ الزام نہ ٹھہرایا جائے، کیونکہ زیرِنظر کتاب میں جو کلام شامل ہے وہ جن کاغذات میں موصول ہوا تھا ان میں بیشتر صفحات گلے ہوئے اور شکستہ ہونے کے سبب یا دھندلے پڑ گئے تھے یا پھٹ کر الگ ہوگئے تھے۔ اس لئے مرتبین ومدوّنین حضرات نے اپنی فکرِ رسا کے مطابق الفاظ وتراکیب شامل کردیے اس لئے بعض جگہوں پر تخلیق کار کے مطمحِ نظر سے انحراف رواج پا گیا۔ غنیؔ صاحب واقعتاً صاحبِ علم وفضل وکمال شخص تھے تاہم اُن سے تسامحات، فروگذاشت اور دانستہ لغزشوں کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

تحقیق کاروں سے یہ مطالبہ بھی غلط نہیں ہوگا کہ وہ غنیؔ صاحب کے معاصرین کے ورثاء اور متعلقین سے رابطہ قائم کریں، اُن کے گھرانوں میں موجود سرمایۂ ادب کی ورق گردانی کریں تاکہ کارآمد مواد دستیاب ہوسکے۔ علاوہ ازیں اُن اصحاب کے اہل وعیال سے بھی رجوع کریں جو ترکِ وطن کرکے ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کرگئے۔ واضح ہو کہ عبیداللہ قدسیؔ جیسی ادبی شخصیت کا تعلق بھی بیاور (ضلع اجمیر) سے رہا ہے ان کے بھائی ابوالعرفان فضائیؔ بھی اجمیر میں مقیم تھے۔ اسی طرح خواجہ عبدالباری معنیؔ اجمیری، رفیعیؔ اجمیری، میرؔ احدی اجمیری، سیمابؔ اکبرآبادی (سابق طالبِ علم گورنمنٹ کالج اجمیر اور ملازم انڈین ریلوے ڈی۔ ایس آفس، اجمیر) نظیر حسن سخاؔ، عبدالمعبود معینیؔ، فداء الملک عرشی اجمیری، ساغرؔ اجمیری، قیسیؔ رامپوری ثم اجمیری اور بعض

دیگر حضرات اصل میں غنیؔ بیاوری کے معاصرین میں شامل تھے۔اس زمانے میں اجمیر سے ادبی اخبارات، رسائل اور گلدستے وغیرہ شائع ہوا کرتے تھے۔ادبی تقریبات کا انعقاد ہوتا رہتا تھا۔اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ غنیؔ صاحب جیسا سرگرمِ عمل صاحبِ علم وفن اس دور کی ادبی فضا سے بے خبر رہے۔کلیات غنی کی اشاعت قابل ستائش ضرور ہے لیکن ابھی اس سلسلے میں مزید تحقیق وتفتیش کی اشد ضرورت ہے۔سرِ دست راقم کلیات غنیؔ کے مشمولات پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی ادنیٰ سی کوشش کر رہا ہے۔

غنیؔ بیاوری نے حمد ونعت ومناجات سے متعلق اشعار تخلیق کرتے وقت اردو اور فارسی کے استاد شعراء کی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے جذباتِ قلبیہ کو بروئے کار لاتے ہوئے چند ایسے اشعار کے حوالے سے اظہارِ خیال کیا جن کا تذکرہ یہاں برمحل معلوم ہو رہا ہے،یعنی ؎

ہے مثل بوئے گل یادِ الٰہی میں نفس میرا
بھرے گی نسیمِ صبح دم لاکھوں برس میرا

مجھ کو بے یار ومددگار جو پایا رب نے
دامنِ فضل کا اپنے کیا سایا رب نے

دوجہاں میں ہے زبان پر سب کی افسانہ ترا
ہے ہر ایک بیمار الفت یار دیوانہ ترا

اے خدائے پاک ذات وپاک نام
خالق وروزی رسانِ خاص وعام
ایں طمع دارد ز لطفِ تو غنیؔ
فتنہ را از بیخ و از بن برکنی

اسی طرح جب نعت گوئی کا فریضہ ادا کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں تو حفظِ مراتب حضور اکرم صلعم کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں،

اس امر کی غمازی آپ کے فارسی واردو میں تخلیق شدہ کلام سے ہوتی ہے، چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

نہ تابِ صبر و قرار دارم ببین محمد ببین محمد
ز ہجر در سینہ داغ دارم ببین محمد ببین محمد
غنیؔ بگردان بہ نقدِ ایمان بدہ نصیبہ ز گنجِ عرفان
ز لطف و رحمت رَمید دارم ببین محمد ببین محمد

ہے محفل میلادِ نبی باعث رحمت
افلاک سے آ آ کے ملک کرتے ہیں شرکت

آتا ہے آسماں سے لشکر ملائکہ کا
تم بھی قدم بڑھاؤ حضرت کی ہے یہ محفل

غنیؔ کو جو دیکھا فدائے نبی تھا
نہ وہ طالبِ جنت و حور نکلا

سراپا ہستی احمد ہے شان کبریائی کا
ہویدا میم کے پردے میں جلوہ ہے خدائی کا

ہے رحمت کی صورت محمدکی الفت
دلائے گی جنت محمدکی الفت

اُلفت میں محمد کی آنکھیں ہیں میری پنگھٹ
اشکوں کا لگا رہتا ہے آٹھ پہر جمگھٹ

حمد ومناجات اور نعت گوئی کی طرح غنیؔ بیاوی کی تخلیق کردہ مناقب بھی توجہ طلبی کی دعوت دینے میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔ گوکہ اس صنف میں بھی انہوں نے فارسی اور اردو کی روایتی اور کلاسیکی شاعری کے سُر میں سُر ملایا ہے لیکن اس کے باوجود کلام کی تاثیر برقرار ہے۔ چند اشعار کے حوالوں سے اس پہلو کی اس طرح صراحت ہوتی ہے:

صبائے گلستانِ منقبت لائی ہے وہ نکہت
دماغِ نغز رضواں سے نہیں کم طائرِ جاں کا
کرے دعوائے توصیفِ جناب غوثِ یزدانی
کہاں یہ حوصلہ انسان کے لب ہائے جنباں کا

اے معینِ دین برحق سرِّ حق کے رازداں
اوّلینِ اولیاء و کاملینِ رہبراں
ہے غنیؔ مغموم و بیکس کیجئے پوری مراد
مقصدِ دل اس کا مولیٰ آپ پر ہے سب عیاں

نورِ وحدت جلوہ گر ہے کلیری دربار سے
شانِ احمد ہے نمایاں صابری سرکار سے

غنیؔ کو نہیں شوق سیر جہاں کا
بسا ہے بس آنکھوں میں گلزارِ صابر

غزل گوئی کے حوالے سے اگر گفتگو کی جائے تو غنیؔ صاحب یہاں بھی روایتی اور کلاسیکی شاعری کے دل دادہ معلوم

ہوتے ہیں۔ زیرِ نظر کلّیات میں شامل غزلیات از اول تا آخر جدّت طرازی اور نئے موضوعات سے گریز کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہے یہ وہ دور تھا جب حالؔی کی تحریک پر شعرائے کرام قدامت کا دامن چھوڑ کر جدّت کا ہاتھ تھام رہے تھے لیکن کلامِ غنؔی کے مطالعے سے ایسا لگتا ہے گویا غنؔی بیاوری نے حالؔی یا اُن کے معاصرین کے مشوروں کو لائقِ تسلیم نہیں سمجھا اور اس قبیل کے اشعار کی وساطت سے اپنی غزلوں کو عملی جامہ پہنایا :

فتنہ انگیز ہوا حسن فروزاں ہوکر
داغ الفت کا بنا مہرِ نمایاں ہوکر

فراق جاناں میں داغ دل کے جو اپنے پہلو میں جل رہے ہیں
ہماری آنکھوں سے اشک کی جا غضب کے شعلے نکل رہے ہیں

کرو خوفِ خدا کچھ تو یہ چکمے روز دے دے کر
پھنساتے ہو عبث کیوں دام میں مجھ کو بھروسے سے

اللہ ہو غنؔی مستی ہستی کی نہیں ہستی
کس مئے سے بھرا تو نے ساقی میرا پیمانہ

کہتے تھے ہم نہ جام پردوچار اے غنؔی
لایا نہ رنگ آنکھوں میں آخر خمارِ دوست

خیالِ وصل جاناں بھی خدا کی مار کیسی ہے
نگاہِ ناز کے ماروں کی مٹی خوار کیسی ہے

کیا خاک جائے میری فریاد آسماں تک
جب میرے حق میں ظالم تو خود ہی آسماں ہو

بھولا ہوں راہ کعبہ کی بُت خانہ دیکھ کر
گردش میں مثلِ جام ہوں خمخانہ دیکھ کر

ہمارے اشک خونیں نے کھلائے ہیں یہ گل تازہ
عیاں ہے جذبۂ الفت کا اک گلزار دامن میں

بھولی صورت پہ غنیؔ ان کی نہ جانا ہرگز
چوٹ کرتے ہیں حسین اہلِ دغا کی صورت

غنیؔ بیاوری کی غزل گوئی کی جوصورتِ حال ہے وہی رنگت اُن کی نظم نگاری کی بھی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ غنیؔ صاحب کی منظومات بھی کلاسیکی اور روایتی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ دراصل کلاسیکیت موصوف کی رگ رگ میں سرائیت کر چکی تھی اس لئے آپ جدّت یا جدیدیت کی طرف دیکھنا کسرِ شان سمجھتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ :

نام ہی کے نظم گو ہم رہ گئے شعر جو کہتے تھے قدما کہہ گئے

اس شعر کی روشنی میں کلامِ غنیؔ کے مشمولات میں انفرادیت و یگانگت کی توقع فضول ہے۔ اگر اُن کے کلام کا محاسبہ مقصود ہو تو انہیں کلاسیکی شاعر کی حیثیت سے دیکھا جانا چاہئے۔ جن دنوں غنیؔ صاحب شعری تخلیق میں مصروف تھے اُنہیں ایام میں اجمیر اور اُس کے قرب و جوار میں ایسے شعراء فریضہ نظم گوئی انجام دے رہے تھے جنہیں قومی سطح پر ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا اس سلسلے میں میرؔ احمدی اجمیری، رفیعؔ اجمیری اور قیسؔ رام پوری وغیرہ کے اسمائے گرامی بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔ ان سبھی حضرات کی اُن تخلیقات پر اہلِ ذوق حضرات رائے زنی بھی کرتے تھے جو ''ادبی دنیا''، ''رومان''، ''نیرنگِ خیال''، ''عالمگیر''، ''کیف''، ''ایشیا''، ''شاعر''، فاران'' اور بعض دیگر رسائل کی زینت ہوا کرتی تھیں۔ قارئین و ناقدین کے مشوروں سے کلامِ شاعر کو جلا ملتی ہے اسی لئے راقم بار بار یہ بات دوہرا رہا ہے کہ غنیؔ صاحب کے ورثاء معاصر رسائل و جرائد کی تلاش کریں تا کہ ان سے متعلق کار

آمد باتیں مل جائیں اگر ''پدرم سلطان بود'' کی روایت پر ہی قائم رہے تو وہ مقصد ہرگز پورا نہیں ہوگا جس کے وہ حضرات متمنی ہیں۔ خیر میرا کام ختم عمل پیرا ہو کہ نہ ہوں یہ اُن کی اپنی مرضی لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ غنی صاحب نے غزل اور بعض دوسری اصناف کے ساتھ ساتھ میدانِ نظم گوئی میں بھی طبع آزمائی کر کے چند ایسی منظومات اجمیر کے شعری ادب کو عنایت کیں جو اس خطۂ دل پذیر میں نظم گوئی کی سمت و رفتار کے تعین میں معاونت کرتی ہیں۔ غنیؔ صاحب کی جو منظومات ''کلّیاتِ غنیؔ'' میں اشاعت پذیر ہوئیں اُن میں ''نیا سال''، ''عید''، ''علم''، ''پیغام بیداری''، ''آئینۂ حال''، ''رازِ ہستی''، ''خراجِ عقیدت لالہ لاجپت رائے''، ''خوش آمد''، ''رجحانِ دہریت''، ''مصنوعی اتحاد کا خاکہ''، ''حضور کا جواب باصواب''، ''شہادتِ حسین''، ''کو پریشن اور سوسائٹی کا منشا و غرض''، جیسے عنوانات کے تحت تخلیق ہو کر اشاعت کی منزل سے گزری ہیں۔

ان نظموں میں بعض ایسے واقعات و حالات کی طرف اشارہ ملتا ہے جن سے ہر عہد کا شاعر یا فن کار دوچار ہوتا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ غنیؔ بیاوری کا زمانہ انگریزوں کے تسلط کا زمانہ تھا لیکن اُن کی دو ایک تخلیقات میں براہِ راست یا اشارتاً انگریزوں کی مخالفت ملتی ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ سرکاری ملازم تھے اس لئے اپنے مجاہدانہ اظہار سے باز رہے ہوں۔ مرحوم کے نظمیہ اظہار میں چند ایسے اشعار راقم کی نگاہوں کے سامنے ہیں جن کا ذکر اس موقع پر لازمی تصور کیا جا رہا ہے اس لئے یہ مثالیں پیشِ خدمت ہیں :

ولولے سَو راج کے سینے میں ٹھنڈے رہ گئے
نام کے اب تو فقط ہاتھوں میں جھنڈے رہ گئے
حیف اے اہلِ وطن تیغِ محبت کے بجائے
ہر گلی کوچے میں اب بانسوں کے ڈنڈے رہ گئے
ہر طرف سننے میں آتا ہے غنیؔ یہ ہی گلہ
خانہ جنگی کے کمیٹی میں اجنڈے رہ گئے

(نظم ''آئینۂ خیال'' سے ماخوذ)

بہرِ خدا اُٹھو اُٹھو کب تک رہوگے بے خبر
ابرِ بلائے ناگہاں طاری ہے سر پہ سر بسر
خوابِ گراں کو توڑ کر غفلت کی نیند چھوڑ کر

عشرت سے منھ کو موڑ کر دیکھو کہ گھر ہے پُر خطر
طوفاں بلا کا ہے بپا ندّی ستم کے ہے چڑھی
برقِ غضب ہے کوندھتی بدلی فلک کی ہے نظر

(نظم ''پیغامِ بیداری'' سے اخذ)

مالداروں کی کریں تقلید کیا — ہاتھ خالی ہیں ہماری عید کیا
خوش لباسوں کی کریں ہم دید کیا — کشتۂ غم ہیں ہماری عید کیا
اشک کی آنکھوں نے کی تائید ہے — ہجر کے ماروں کی یہ ہی عید ہے
عیدگہ کی دید بھی نادید تھی — تم گلے ملتے ہو بے شک عید تھی
خاک آئے لطف اُس کو عید کا — جو کہ ہو مشتاق تیری دید کا
تم نہیں تو اور بھی غم ہو گیا — عید کا دن روزِ ماتم ہو گیا

(نظم ''عید'' سے ماخوذ)

تھا قوم کا شگفتہ کبھی گلستانِ علم — تھے جس میں پھلتے پھولتے نو بادگانِ علم
تھا جہل کا نہ قعر تنزّل نصیب میں — تھی سرزمینِ قوم کبھی آسمانِ علم
ہر مدّعی کا ناطقہ کرتی تھی قوم بند — دنیا کو گنگ کرتی تھی گویا زبانِ علم
طوطی اسی کا بولتا تھا باغ دہر میں — ایک ایک فرد قوم تھا عذب البیانِ علم
کب یاں خزانِ جہل کے جھونکوں کا تھا گزر — پھرتی تھی اس چمن میں نسیمِ وزانِ علم
کھلتے ہیں کسی سے دقائق علوم کے — رازِ عیانِ علم ہے رازِ نہانِ علم

(نظم ''علم'' سے ماخوذ)

مذکورہ مثالوں کی روشنی میں یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ غنّی بیاوری ایک محبِّ وطن اور حامیٔ قوم تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ ہماری قوم علم وفن اور ہنرمندی سے وابستہ ہو کر کامیابی و کامرانی حاصل کرے۔ اور جب انہوں نے قوم کی بے راہ روی کا نظارا کیا تو اپنی تخلیقات کے حوالے سے پند و نصائح کے دفتر کھول دیئے۔

ماضی قریب میں یہ روش عام تھی کہ اکثر شعراء مسدّس کی ہیئتوں میں بھی اپنے جذبات کو منظوم کرتے تھے۔ مسدّس گوئی

کا سلسلہ حالانکہ نظیر اکبر آبادی سے شروع ہوکر خواجہ الطاف حسین حالی کی ''مسدّس مدّ وجزرِ اسلام'' کے توسط سے بامِ عروج پر پہنچا۔ راجستھان میں حالی سے انحراف واعتراف کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ کسی حوالے سے بھی یہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں کہ غنی کس زمرے کے شاعر ہیں یعنی حالی کے معترف یا منحرف۔ ''کلیاتِ غنی'' میں چار عدد مسدّس بعنوان ''بانگِ جرس''، ''اہمیتِ تبلیغ''، ''کو پریشن (کام میں امدادِ باہمی)''، ''بیاور نیا شہر'' اور ''دارالخیر اجمیر شریف'' شامل اشاعت ہیں۔ ان مسدّسوں کی خوبی یہ ہے کہ ان میں ایک طرف تاریخی معلومات موجود ہیں تو دوسری طرف تخلیق کار کے رواں دواں انداز میں اُس کی قادرالکلامی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ راقم کے نزدیک غنی کی مسدّس تخلیقات ان کے دیگر اصناف میں کہے گئے کلام پر سبقت لے گئی ہیں، چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

غیرتِ فردوس ہے اجمیر تیری سرزمیں — روز وشب آتے ہیں تیرے دیکھنے کو زائریں
ہے قدامت میں سوا تو اور شہروں سے کہیں — نازشِ ہندوستاں ہے تیری ہستی بالیقیں
جملہ راجستھان کا ہے تو ہی اک روشن چراغ
روشنی تیری مٹا دیتی ہے سب سینوں کے داغ

(''دارالخیر اجمیر'' سے ماخوذ)

دمِ اجلاس مجلس میں بجٹ تھا پیش سالانہ — سر کُرسی ڈٹا تھا بحث پر ہر ایک فرزانہ
مئے اسپیچ کا ہر سمت تھا گردش میں پیمانہ — ہوئی حیرت زدہ یہ سن کے ساری بزمِ رندانہ
نئی اسکیم کا آغاز ہے ہُشیار ہو جاؤ
غریبوں ٹیکس دینے کے لئے تیار ہو جاؤ

(مسدّس ''بانگِ جرس'' سے ماخوذ)

یادِ ایّام کہ تھا کہ دورِ زمانِ تبلیغ — جوشِ اسلام کا پرچم تھا نشانِ تبلیغ
دل تھا ہر ایک مسلماں کا زبانِ تبلیغ — سینۂ کفر میں تھی خارِ سنانِ تبلیغ
مسلمِ زار سنبھل تھا م نشانِ تبلیغ
کشورِ ہند میں گھر گھر دے اذانِ تبلیغ

یہ گرم جوشی مذکورہ تمام مسدّسوں میں موجود ہے اس لئے غنیؔ بیاوری کی شاعری کی اہمیت وافادیت میں اضافہ کرنے والی ان تخلیقات کو اُن کے فن کی معراج سمجھنا چاہئے۔

انگریزوں کے عہدِ حکومت میں بیشتر شعرائے کرام اُن کی تعریف وتوصیف سے دامن بچاتے تھے لیکن چند ایسے شعراء کے حوالے بھی اردو کے اکثر تذکروں اور تاریخوں میں مل جاتے ہیں جنہوں نے فرنگیوں کی تخریب کاری سے قطع نظر کرتے ہوئے اُن مثبت کارناموں کی تعریف کی جو عوام الناس کے لئے مفید اور سودمند ثابت ہوئے اس لئے جب کرنل چارلس جارج ڈکسن (یعنی جارج پنجم) نے بیاور کو آباد کر کے تاریخی کارنامے انجام دیے تو غنیؔ صاحب نے اُس شخص کی خدمات سے متاثر ہوکر دو عدد قصیدے تخلیق کئے جو اردو قصیدہ نگاری کی اُسی روایت سے متاثر ہیں جو متقدمین ومتاخرین شعراء کا خاصہ رہا ہے۔ ان دونوں قصیدوں میں توازن کو برقرار رکھنے کی غرض سے مبالغہ آرائی سے گریز کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دونوں قصیدوں سے مثالیں ملاحظہ فرمائیے :

غیرتِ باغِ ارم ہے صحن باغ روزگار
کس ترقی پر ہے حسنِ شاہد گل کی بہار
اُف رے یہ فرطِ نمو یکبارگی پیدا ہوئے
گل شجر بوٹا شگوفہ شاخ وغنچہ برگ وبار
وہ شہہِ انگلیتاں وہ قیصرِ ہندوستاں
وہ کے جس کو ہند دیتا ہے دعا لیل ونہار
کر ختم بس اسی دعا پر بڑھ نہ آگے اے غنیؔ
اہلِ جلسہ کو کسی اسپیچ کا ہے انتظار
الحمد ربِّ دو جہاں رحمت ہوئی تیری جہاں
کافور ہیں غم کے نشاں پھر امن کا آیا زماں
آثارِ نصرت ہیں عیاں فرخ قدم ہے یہ سماں
ظاہر ہوئے جوشِ نہاں عالم ہے سب پھر شادماں

اے جارجؔ عالی شہنشاہ بے شک ہے تو عالم پناہ
خلقت کی ہے اُمّید گاہ تیرا مجلّی آستاں
فوجوں نے تیری جو کیا ہوگا نہ دیوؤں سے ہوا
مغلوب قیصر کو کیا طے کرکے راہ ہفت خواں
یہ بھی فتح کی یاد ہے ،جشنِ مبارکباد ہے
لکھ کر قصیدہ شاد ہے عبدالغنی معجز بیاں

قصائد سے متعلق مذکورہ اشعار میں ذوقؔ کے اُن قصیدوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے جوانہوں نے بہ تزک واحتشام بہادرشاہ ظفرؔ کی مدح وستائش میں تخلیق کیے تھے۔

''کلیاتِ غنی'' میں الگ الگ صفحات پر چار مصرعوں پر مشتمل منظومات کو رباعی کہا گیا ہے۔واضح ہوکہ یہ نمونے رباعی کے فنی تقاضوں پر کھرے نہیں اترتے۔دراصل یہ قطعات ہیں جنہیں لاعلمی کے تحت رباعی کہہ دیا گیا ہے۔غنیؔ صاحب سے اس قسم کی غلطی کی مطلق امید نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ اتنی بڑی غلطی نہیں کرسکتے، یہ کارنامہ مرتّبین حضرات کا معلوم ہوتا ہے جن میں دراصل کوئی بھی عروض داں اور علم بیان کا جان کار نہیں۔اس لئے مرتّبین کو مشورہ دیا جاتا ہے، کہ وہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح فرمالیں۔جن قطعات کو رباعی کہہ کر شامل اشاعت کیا گیا ہے۔اُن سے یہ مثالیں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں :

ایک عالم کو ہے تسلیم شجاعت میری
سرفروشی میں جہاں دلے شہادت میری
قلبِ ہستی میں غنیؔ صورتِ برقِ مضطر
ہوں میں شیدائے خلافت ہے خلافت میری
دردِ اسلام کا پہلو میں نہاں رکھتا ہوں
گل پہ توحید کے میں شیفتہ جاں رکھتا ہوں
گلشنِ دین محمد کا ہوں طوطی خوش گو
بہرِ تبلیغِ علم سیف ِ زباں رکھتا ہوں

دل میں ایمان کا سامانِ بقا رکھتا ہوں
پاس سے میں کہیں اُمیدِ سوا رکھتا ہوں
طاقتِ غیر سے کیا خاک غنیؔ گھبراؤں
پنجتن سر پہ تو سینے میں خدا رکھتا ہوں

مذکورہ اشعار راقم الحروف نے اس غرض سے نقل کئے ہیں کہ صاحبانِ علم وفن حضرات میری اس بات کی تائید فرمائیں گے کہ یہ اشعار رباعی نہ ہوکر قطعہ نگاری کے ذیل میں آتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں راقم نے جن خیالات کا اظہار کیا انہیں کسی منفی رویے پر محمول فرمانے کے بجائے غور وفکر کے بعد از سرِ نو کلامِ غنیؔ کی تصحیح کا کام انجام دیا جائے۔ ان کے غیر مطبوعہ اور ایسے کلام کی تلاش وجستجو کی جائے جو زیرِ نظر مجموعے میں شائع ہونے سے رہ گیا۔

علاوہ ازیں غنیؔ صاحب کے دست قلم سے لکھی تمام شعری تخلیقات کو ایسے باشعور حضرات کو دکھایا جائے جو علمِ عروض، علمِ بیان اور محاسنِ شعری کے صحیح معنوں میں جانکار ہوں۔ مقدمہ کسی قابلِ قدر اور غیر جانب دار شخص سے لکھوایا جائے۔ تاثراتی نوعیت کی تحریروں سے پرہیز کیا۔ ایسے حضرات کی تحریریں ہرگز شامل نہ کی جائیں جو محض مدح وقدح کی باتیں کرکے سادہ لوح انسانوں کو مبتلائے غلط فہمی کرتے ہیں۔ ان تمام امور کے پیش نظر ''کلیاتِ غنیؔ'' کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوگا تبھی غنیؔ صاحب کا واقعی ادبی مقام متعین ہوسکے گا۔

حوالہ جات:

۱۔ 'کُلّیاتِ غنیؔ، ص ۲۳، ۲۴، ناشر ماسٹر عبدالغنی میموریل ساہتیہ شودھ سنستھان، بیاور، راجستھان، سن اشاعت مارچ ۲۰۱۲ء

○○○

رابطہ:
ڈاکٹر معین الدین شاہین
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو
سمراٹ پرتھوی راج چوہان گورنمنٹ کالج، اجمیر (راجستھان)
فون: 7850921002